ابوالاسجد صدیق رضا۔ کراچی

اتباع اور تقلید میں فرق(۱)

لفظ ''امام'' واحد ہے اور اس کی جمع ''ائمہ'' ہے۔ لفظ ''امام'' فِعال کے وزن پر اسم ہے۔ اس کے معنی ہیں ''مَنْ یوتم بہ'' جس کا قصد یا ارادہ کیا جائے، چونکہ مقتدا ورہنما کا قصد کیا جاتا ہے تو اس وجہ سے اُسے امام کہتے ہیں، جس کی فرمانبرداری یا پیروی کی جائے تو اُسے ''امام'' کہتے ہیں، خواہ اس کی پیروی حق ہو یا باطل۔ اور پھر یہ پیروی کسی کی بھی ہو خواہ انسان کی ہو یا کسی کتاب کی۔

جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ''تورات شریف'' کو ''امام'' کہا۔ ارشاد ہوا:

﴿ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ﴾ اور اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) کی کتاب امام ورحمت تھی

(ھود:۱۷، الاحقاف:۱۲)

قرآن مجید اور احادیث میں اس لفظ کا استعمال مختلف معنی میں ہوا ہے، جیسے حکمران کے معنی میں، اسی طرح نماز پڑھانے والے کے لئے، عام طور پر کسی علم میں بصیرت ومہارت رکھنے والے کو بھی ''امام'' کہا جاتا ہے، خواہ اُس کے عقائد سے اتفاق نہ بھی ہو۔ ہم قارئین کے اطمینان کے لئے فریق ثانی کے معتمد عالم اور دیوبندیوں کے موجودہ ''امام اہلسنت'' سرفراز خان صفدر صاحب کے الفاظ نقل کئے دیتے ہیں:

''ہم نے اس کتاب میں مسئلہ علم غیب کے سلسلہ میں علامہ زمخشری سے ان کے غلو فی الاعتزال کی وجہ سے کوئی استدلال نہیں کیا بلکہ صرف امام عربیت ہونے کی وجہ سے حلِ عبارت میں استدلال کیا ہے اور ان کے امام اہل عربیت ہونے کا کوئی منکر نہیں ہے۔'' (ازالۃ الریب ص ۱۳۵)

اسی طرح لکھتے ہیں:

''تکمیل بحث کے لئے ائمہ لغت سے بھی غیب کی تعریف نقل کر دی جائے، مشہور امام لغت ابومنصور عبدالملک بن محمد الثعالبی (المتوفی ۴۲۹ھ) لکھتے ہیں'' (ازالۃ الریب ص ج) حوالے تو مزید بھی دیئے جاسکتے ہیں لیکن بطورِ تائید یہی کافی ہے۔ اس سے ہماری اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ کسی فن یا علم میں مہارت کی وجہ سے بھی ماہر کو عام طور پر ''امام'' کہا جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی امام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقتدا اور رہنما ومطاع اور امامت کے منصب پر فائز نہیں۔ نہ یہ واجب الاتباع امام ہیں کہ ان کی ہر ہر بات ہر ہر فعل پر عمل لازم ہو۔ ایسے ''امام'' صرف انبیاء کرام ہیں، عوام جب انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے یا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس لفظ کا استعمال سنتے ہیں تو انہیں بڑی حیرانگی ہوتی ہے اور بعض سادہ لوح حضرات تو کہہ بیٹھتے ہیں کہ جناب وہ تو نبی ہیں، نہ کہ امام حالانکہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام میں سے ہر ہر نبی علیہ السلام ''امام'' تھے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورہ انبیاء میں بعض انبیاء کرام کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ﴾ اور ہم نے اُن (رسولوں) کو امام بنایا تھا اور وہ ہمارے حکم سے ہدایت/ رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے اُن کی طرف نیک اعمال کرنے کی وحی کی۔ (الأنبیآء ۷۳)

اب دیکھئے قرآن مجید سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کرام امام ہوتے ہیں اور اُن پر وحی کا نزول ہوتا ہے، جس سے وہ اپنی قوم کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اس طرح جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے چند باتوں میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا تو آپ ان آزمائشوں پر پورے اترے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ:

﴿اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِيْنَ﴾

کہ میں تمہیں لوگوں کا ''امام'' بنانے والا ہوں (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا اور میری اولاد میں سے بھی، تو اللہ نے فرمایا (ہاں لیکن) ظالم لوگ میرے اس وعدہ میں داخل نہیں ہوں گے۔ (البقرہ:۱۲۴)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد میں سیدنا اسمٰعیل وسیدنا اسحاق وسیدنا یعقوب وسیدنا یوسف علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نبوت وامامت کے منصب پر فائز فرمایا اور بالآخر نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے لئے نبوت وامامت کا منصب عطا فرمایا۔ ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ انبیاء کرام امام ہوتے ہیں اور اُن میں آخری امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جنہیں امامت کا منصب اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، جن کی اطاعت واتباع وپیروی کو اللہ ہی نے فرض ولازم قرار دیا، جن کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، جن کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔

امم سابقہ کی طرح علم کے امام تو اس امت میں بھی بے شمار ہوئے اور ہوں گے۔ لیکن واجب الاتباع اور واجب الاطاعت ''امام'' صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو کہ دین کے امام ہیں، علم کے امام قابل احترام بلکہ واجب الاحترام ہیں، اُن کا احترام اور بلا امتیاز ان کے علم سے استفادہ کرنا چاہیے لیکن ان کی اطاعت وپیروی کو واجب یا فرض قرار دینا درست نہیں اب قیامت تک کے لئے واجب الاتباع امام صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہم نے ان صفحات میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ''امام'' جو کہ دین کے ''امام'' ہیں اُن کی اطاعت اور لوگوں کے خود اپنے مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید جو لوگوں نے خود واجب کی ہے اُس میں ''فرق'' ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔

واضح رہے کہ اس سے ہمارا مقصد ان ائمہ کی گستاخی یا بے ادبی یا ان کی توہین قطعاً نہیں، بلکہ ہم تو تمام ائمہ کو واجب الاحترام سمجھتے ہیں، انہیں علم کا ''امام'' سمجھتے ہیں۔

ہمارا مقصد تو صرف یہ ہے کہ لوگ حق کو سمجھیں، قرآن وسنت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کو سمجھیں اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا شعار وزندگی کا مقصد بنا کر اپنی آخرت کو سنواریں اور رب کریم کی بے شمار رحمتوں کے مستحق بن کر اُس کی رضا حاصل کر کے جنت میں داخل ہوں اور عظیم کامیابی سے ہمکنار ہوں۔

﴿مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَفَوْزاً عَظِيْماً﴾

جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی وہ بڑی عظیم کامیابی پا گیا (الاحزاب:۷۱)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا اور ہمیں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی و ہدایت کے لئے انبیاء ورسل اور صحف وکتب کا سلسلہ جاری فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں مختلف قوموں بلکہ ہر قوم کے درمیان اپنے رسل مبعوث فرمائے۔ حتیٰ کہ یہ سلسلہ نبی آخر الزمان، امام الانبیاء، امام الاتقیاء، خاتم الرسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم فرمادیا۔

اللہ تعالیٰ نے قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے جو نمونہ کامل، مطاع اور امام بنایا وہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات گرامی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی ایک بھی ایسا انسان نہیں کہ جس کی اتباع، اطاعت، اقتدا، فرمانبرداری و پیروی کو اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لئے فرض ولازم اور واجب کیا ہو، جی ہاں کوئی ایک بھی ایسا انسان نہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوگوں کو اللہ کی طرف اور اپنی اطاعت وفرمانبرداری کی طرف دعوت دیتے رہے، جن لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور صحابی رضی اللہ عنہ ہونے کا شرف حاصل کیا ان کا بھی یہی عقیدہ وایمان رہا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت رہتی دنیا تک کے انسانوں پر فرض ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی ایسی شخصیت نہیں کہ جس کی ہر بات حجت ہو، دلیل ہو اور قیامت تک کے لوگوں پر اس کی اطاعت وپیروی فرض یا واجب ہو، پھر جن لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں اسلام قبول کیا، پھر جنہوں نے ان تابعین کی دعوت پر اسلام قبول کیا، ان کا بھی یہی عقیدہ وایمان رہا، وہ بھی نمونہ کامل، مطاع اور امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو سمجھتے تھے اور اس طریق حق پر قائم رہے، اور چار سو سال تک یہ سلسلہ مبارکہ یوں ہی چلتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ دور بھی آیا جو دیگر امتوں میں آتا رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:۔

﴿ما من نبي بعثه الله في أمة قبلي إلا كان له من أمته حواريون وأصحاب يأ خذون بسنته ويقتدون بأمره ثم إنها تخلف من بعد هم خلوف يقولون مالا يفعلون و يفعلون ما لا يؤمرون﴾ إلخ

ترجمہ: مجھ سے پہلے جو بھی نبی اللہ تعالیٰ نے کسی امت میں بھیجا اس امت میں ان کے مددگار اور ساتھی ہوتے جو ان کی سنت پر عمل کرتے اور ان کے حکم کی پیروی کرتے۔ پھر ان کے بعد کچھ ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوتے جو ایسی باتیں کرتے جن پر وہ عمل نہیں کرتے (مثلاً رسول اللہ علیہ الصلاۃ السلام کی محبت کا دعوی، سنت پر عمل کا دعوی، لیکن عمل کسی اور کے طریقہ کے مطابق) اور ایسے اعمال کرتے جن کا اُنہیں حکم نہیں دیا جاتا تھا۔ (یعنی اپنی طرف سے نئے نئے

عقائد، نئے نئے اعمال وطریقے ایجاد کرتے ،بدعات گھڑتے جس کی قطعاً اجازت نہیں) الخ (صحیح مسلم :۸۰/ ۵۰ ودارالسلام:۱۷۹)

صحابہ کرام،تابعین عظام وتبع تابعین تک یہ سلسلہ درست رہا،لوگوں کی اکثریت قرآن وسنت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پیروی کرتی رہی،اتباع اوراطاعت کے لئے انہوں نے کسی اورامام کومقرر نہیں کیا۔

ذخیرۂ احادیث اورتاریخ میں اس بات کا بالکل کوئی ذکرنہیں ہے کہ انہوں نے اپنے لئے کوئی ایک امام ومطاع بنارکھا تھاجس کی وہ تقلید کیا کرتے تھے،ہرگزنہیں۔البتہ ان کے بعد دھیرے دھیرے ایسے لوگ پیدا ہوئے جن کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلع فرمایا تھا،ایسے لوگ جو ہر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں آتے رہے۔انہوں نے ایسے کام نہ کئے کہ جن کاانہیں حکم ملاتھا بلکہ ایسے کام کرنے لگے جن کا اُنہیں بالکل ہی حکم نہیں ملاتھا۔ایسے لوگوں نے اپنی ہدایت ورہنمائی کے لئے اپنی درستگی احوال واصلاح کے لئے،گمراہی وضلالت سے بچنے کے لئے،اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررکردہ امام ومطاع یعنی نبی ورسول اللہ کی ذات گرامی اورآپ کی تعلیمات کوعملاً کافی نہ سمجھا بلکہ اپنی اپنی طرف سے اپنے لئے علیحدہ علیحدہ امام ومطاع ومقتدا چن لئے،اُن کی اطاعت وفرمانبرداری وپیروی کواپنے آپ پرخود واجب کرلیا۔

دیوبندی مسلک کے ''حکیم الامت ومجدد الملت'' اشرف علی تھانوی صاحب نے قدرے تفصیل سے اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ '' جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانِ فیض اقتران میں طرزِعمل لوگوں کا یہ تھا کہ آپ کے قول وفعل کا سنتے دیکھتے اتباع کرتے،جوضرورت ہوتی دریافت کرلیتے،اصول اسباب وعلل واحکام کے نہ کسی نے دریافت کئے نہ پورے طور سے بیان کئے گئے۔'' (امدادالفتاوی جلد۵ص ۲۹۴)

''بعدوفات شریف آپؐ کے وقائع قدیمہ میں چونکہ ایک صحابی کوکوئی حدیث نہ پہنچی لیکن یاد نہ رہی یایاد رہی مگرفہم معنی میں غلطی ہوئی'' (۲۹۴/۵، ۲۹۵) پھرآگے لکھتے ہیں۔

''اورعوام جس سے چاہتے بلاتقیید وتعین کسی امام یامفتی کے فتوی پوچھ کرعمل کرتے اورجس فتوی میں تعارض ہوتا اس میں اعدل واوثق واحوط اقوال کواختیار کرتے،مأۃ رابعہ تک یہی حال رہا۔بعدمأۃ رابعہ کے قضائے الٰہی سے بہت سے امور پرآشوب پیدا ہوئے۔تقاصرہمم یعنی ہمتیں ہرعلم میں پست ہونا شروع ہوئیں'' (۲۹۶/۵، ۲۹۷)

''......تعمق فی الفقہ والحدیث یعنی دونوں علموں میں افراط ہونے لگا۔یعنی بعض فقہاء اپنے اصول ممہدہ سے حدیث صحیح کورد کرنے لگے،اوربعض اہل حدیث ادنیٰ علت ارسال وانقطاع یا ادنیٰ ضعف راوی سے مجتہد کی دلیل کو باطل ٹھہرانے لگے جورقضاۃ یعنی قاضی اپنی رائے سے جس پرچاہتے تعدی کرتے۔تعصب یعنی اپنی جماعت کوامور محتملہ میں یقیناً حق پرسمجھنا۔دوسرے کوقطعاً باطل جاننا،جب یہ آفتیں پیدا ہوئیں جولوگ اُس زمانے میں معتدبہ تھے

انہوں نے اتفاق کیا.....'' (۲۹۷/۵)

''چونکہ ائمہ اربعہ سابقین سے مذہب مشہور نہ تھا لہذا اُن کی تقلید پر اجتماع کیا گیا اور اور ترک التزام مذہب واحد میں ظن غالب تلاعب فی الدین وابتغاء رخص واتباع ہونے کا تھا۔ لہذا التزام مذہب معین کا لابدّ کیا اور بدون کس غرض محمود شرعی کے اس سے انتقال وارتحال کو منع کیا گیا۔ اس وقت سے لوگوں نے تقلید پر اطمینان کر کے کچھ تو قوت استخراج کی کم تھی، کچھ توجہ نہ کی، قیاس منقطع ہو گیا، بہت لوگ اہل حدیث میں سے اس مشورت پر مصلحت کے مخالف رہے مگر کسی پر لعن طعن نہیں کرتے تھے۔'' (۲۹۷/۵)

اس کے بعد آگے چل کر تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

''پس کسی کو امام اعظم صاحب کی مجمل کیفیت سے ان پر ظن اصابت ورشد کا ہوا..... کسی کو امام شافعی پر یہ ظن ہوا کسی کو امام مالک پر اور کسی کو امام احمد پر پس ہر ایک نے ایک کا اتباع اختیار کیا۔''

(امداد الفتاوی کتاب البدعات ج نمبر ۵، ص ۲۹۷، سوال نمبر ۲۶۸ کا جواب، مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی نمبر ۱۴)

نوٹ: تھانوی صاحب کی طویل ترین عبارت سے چیدہ چیدہ مقامات یہاں درج کیے ہیں، بس اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اور اوامر واحکام اور ان کی سنتوں پر ہی ثابت قدمی کے بجائے اس امت کی اصلاح کے لئے وہ قدم اٹھایا گیا، جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ وہ اس طرح کہ ان لوگوں نے پچھلی امتوں کی طرح اپنے اپنے امام مقرر کر لئے اور محض اپنی مرضی سے ان کی تقلید سے نکلنے کو ناجائز وحرام تک کہا گیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بات کا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ اگر وہ حکم الٰہی کے مطابق اس فتنہ واختلاف کا حل چاہتے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ..... ﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو جب تمہارا کسی معاملے میں بھی اختلاف ہو جائے اسے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹاؤ۔ (النسآء: ۵۹)

لیکن افسوس کہ لوگوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنے اپنے ظن کے مطابق اپنے لئے علیحدہ علیحدہ امام مقرر کر لئے۔ اشرف علی تھانوی صاحب نے واضح الفاظ میں اس کا اقرار کیا ہے کہ کسی نے امام ابوحنیفہ کو مقرر کر لیا، کسی نے امام شافعی کو اور کسی نے احمد بن حنبل اور امام مالک کو مقرر کر لیا۔ معلوم ہوا کہ ائمہ رحمہم اللہ لوگوں کے اپنے بنائے ہوئے واجب الاطاعت امام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام نہیں ہیں۔ حتی کہ خود ان ائمہ نے بھی اپنی اطاعت یا تقلید لوگوں پر واجب نہیں کی بلکہ ان میں سے کسی امام کی وفات کے سینکڑوں سال بعد اور کسی کی وفات کے پچاس سال بعد لوگوں نے خود اپنی طرف سے اپنی مرضی سے اپنے آپ پر ان کی تقلید اور پیروی کو واجب قرار دے دیا۔

اگر آپ کو ہماری معروضات پر یقین نہ آئے تو اپنے کسی مولوی صاحب سے پوچھ کر دیکھ لیں کہ کیا اللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقدس ہستیوں کو منصب امامت پر فائز کر کے ہمارے لیے امام مقرر کیا ہے؟ کیا قرآن مجید یا

احادیث مبارکہ میں اس بات کا کوئی ثبوت ہے؟ آپ کو کوئی ثبوت نہیں ملے گا کہ ان چار اماموں کی تقلید واجب ہے۔

فرض کیجئے اگر کوئی مولوی صاحب آپ کو ایسی کوئی دلیل دکھا دے تو پھر آپ پر لازم ہے کہ آپ غور کریں اگر ان چاروں کی تقلید فرض یا واجب ہے تو آپ صرف ایک امام کی تقلید کو کیوں واجب قرار دیتے ہیں؟ اگر صرف ایک امام کی تقلید واجب ہے تو پوری اُمت اُس ایک امام کی تقلید کیوں نہیں کرتی۔ چار علیحدہ علیحدہ اماموں میں سے ہر ایک نے اپنے لیے الگ الگ امام کیوں چن رکھے ہیں؟

سردست ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ آخری امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور لوگوں کے اپنے بنائے ہوئے اماموں کی تقلید میں کیا فرق ہے؟

پہلا فرق: اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم الٰہی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) ﴿وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ o﴾

اور تم اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو، اگر تم (اُن کی اطاعت سے) روگردانی کرو گے تو جان لو کہ ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذمہ داری تو بس صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ (المآئدہ:۹۲)

(۲) ﴿وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗٓ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾

ترجمہ: اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اگر تم واقعی مومن ہو۔ (الانفال:۱)

اس آیت پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم مومن ہو یعنی ایمان کا دعویٰ کرتے ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو ورنہ تمہارا یہ دعویٰ ایمان کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۳) ﴿قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ﴾

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ تم اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو پسند نہیں فرماتا۔ (آل عمران:۳۲)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے روگردانی کرنا، اعراض کرنا، منہ پھیرنا کافروں کا طرزِ عمل ہے نہ کہ ایمان والوں کا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۴) ﴿وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (آل عمران:۱۳۲)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حصول ہوگا۔

(۵) ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴾

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اُس کے رسول کی اور اُن کی بات سن لینے کے بعد اُن کی اطاعت سے

روگردانی مت کرو۔(الانفال:۲۰)

کتنے واضح الفاظ میں فرمایا کہ اُن کی بات سننے کے بعد منہ نہ پھیرو، نافرمانی نہ کرو، اعراض نہ کرو۔لیکن افسوس کہ لوگوں نے عجیب عجیب اصول بنا لیے۔ملاحظہ کیجئے دیوبندیوں کے ''شیخ الاسلام'' تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔

''اور اگر اُسے کوئی حدیث اپنے امام کے مسلک کے خلاف نظر آئے تب بھی اُسے اپنے امام کا مسلک نہیں چھوڑنا چاہئے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص۹۲ سطر نمبر ۷، مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴)

اسی طرح بریلویوں کے حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی لکھتے ہیں:

''یعنی چار مذہبوں کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں اگر چہ وہ صحابہ کے قول اور صحیح حدیث اور آیت کے موافق ہی ہو۔(جاء الحق، حصہ اول، ص۳۳، مطبوعہ مکتبۃ الاسلامیہ ۴۰، اُردو بازار، لاہور والنسخۃ القدیمہ ۱/۲۶)

غور کیجئے اللہ تو فرما رہا ہے، جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن لو تو پھر منہ نہ پھیرنا، نافرمانی نہ کرنا مگر ہمارے یہ ''علماء'' کیا فرماتے ہیں کہ امام کے مسلک کو نہ چھوڑنا۔مطلب صاف اور واضح ہے کہ قرآن وحدیث چھوٹ جائے تو چھوٹیں پر امام کا مسلک نہ چھوڑنا۔اکثر عوام سوال کرتے ہیں کیا یہ بڑے بڑے علماء قرآن وحدیث نہیں سمجھتے اور پڑھتے نہیں؟۔عرض ہے کہ ایسے لوگ غور کر لیں، جب ان بڑے بڑے علماء نے یہ اصول بنا رکھے ہیں تو وہ خود کس طرح مانیں گے۔اگر چہ لاکھ حدیثیں پڑھتے رہیں، ایسے لوگوں کے متعلق شاہ ولی اللہ الدھلوی صاحب فرماتے ہیں:

''فإن بلغه حديث واستيقن بصحته ولم يقبله لكون ذمته مشغولة بالتقليد فهذا اعتقاد فاسد وقول كاسد ليس فيه شاهد من النقل والعقل وماكان أحد من القرون السابقة يفعل ذلك۔''

اگر کسی مقلد کو کوئی حدیث پہنچی اور اُس نے اُس حدیث کے صحیح ہونے کا یقین بھی کر لیا اور پھر بھی اُس نے حدیث کو اس لیے قبول نہ کیا کہ اُس کی ذمہ داری تقلید کے ساتھ مشغول ہے تو یہ فاسد اعتقاد اور گھٹیا بات ہے، اس میں نقل وعقل کا کوئی شاہد نہیں اور گزشتہ صدیوں میں کوئی ایک شخص بھی ایسی تقلید نہیں کرتا تھا۔(عقد الجید ص ۸۵ دوسرا نسخہ ص ۴۷، ۴۸)

اسی طرح ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''فإن شئت أن ترى أنموذج اليهود فانظر إلى علماء السوء من الذين يطلبون الدنيا وقداعتادوا تقليد السلف، وأعرضوا عن نصوص الكتاب والسنة، وتمسكوا بتعمق عالم وتشدده، واستحسانه، فاعرضوا عن كلام الشارع المعصوم، وتمسكوا بأحاديث موضوعة وتاويلات فاسدة ۔۔۔''

اگر تم چاہتے ہو کہ یہودیوں کا نمونہ دیکھو تو اُن علماءِ سوء کی طرف دیکھو جو دنیا کے طلبگار ہیں اور گزرے ہوئے لوگوں کی تقلید کے عادی ہیں اور کتاب وسنت کی نصوص سے روگردانی کرتے ہیں اور کسی عالم کی روش، اس کے تشدد اور اس کے

استحسان کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں اور شارع معصوم کے کلام سے اعراض کرتے ہیں اور جعلی موضوع احادیث اور فضول تاویلات سے استدلال کرتے ہیں اور یہ اُن کی ہلاکت کا سبب ہے۔ (الفوز الکبیر ص ۹ دوسرا نسخہ ص ۱۸)

ویسے تو تقی عثمانی صاحب، معاذ اللہ صحابہ کرام وتابعین عظام کی مقدس جماعت تک کو مقلد ثابت کرنے چلے تھے پر افسوس کہ اُن کے اپنے ہی بزرگ یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ وہ جس ''تقلید'' کی دعوت دے رہے ہیں قرونِ سابقہ (پہلی صدیوں) میں کوئی ایک شخص بھی ایسی ''تقلید'' کا قائل نہ تھا۔ بلکہ محمد تقی عثمانی صاحب جس ''تقلید'' کی دعوت دیتے ہیں شاہ ولی اللہ ایسے لوگوں کو یہودیوں کا ماڈل قرار دیتے ہیں۔

تقی صاحب یا کوئی اور صاحب اسے ہمارا تشدد قرار نہ دیں بلکہ یہ سب کچھ اُن کے مسلّمہ بزرگ کا فرمایا ہوا ہے لہذا چاہئے کہ وہ اپنی اصلاح کی فکر کریں۔

مذکورہ پانچ آیات پر غور کیجئے، اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا، جبکہ پورے قرآن مجید میں لوگوں کی طرف سے مقرر کردہ اپنے بنائے ہوئے امام کی اطاعت کا کوئی حکم نہیں ہے۔ آپ سابقہ صفحات پر اشرف علی تھانوی صاحب کا یہ قول تو پڑھ چکے ہیں کہ:

''پس کسی کو امام اعظم صاحب کی مجمل کیفیت سے اُن پر ظن اصابت ورشد کا ہو اکسی کو امام شافعی پر یہ ظن ہو اکسی کو امام مالک پر کسی کو امام احمد پر پس ہر ایک نے ایک کا اتباع اختیار کیا۔'' (امداد الفتاویٰ۔ ج ۵ ص ۲۹۹)

اسی طرح دیوبندی مقلدین کے ''شیخ الاسلام'' محمد تقی عثمانی صاحب نے یہ اعتراف کیا کہ:

''اسی بنا پر بعد کے فقہاء نے یہ فرمایا کہ اب تقلید شخصی کی پابندی ضروری ہے، اور کسی ایک مجتہد کو مُعیّن کر کے ہر مسئلے میں اس کی پیروی کی جائے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۶۸)

اسی طرح لکھتے ہیں:

''علماء امت نے صرف تقلیدِ شخصی کو عمل کے لیے اختیار کر لیا۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۷۸)

ان کے علاوہ بھی تقی عثمانی صاحب نے اسی کتاب کے ص ۶۰، ۶۱، ۶۵ پر بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ان ائمہ کی تقلید کو علماء یا فقہاء نے واجب کیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ائمہ کو مقرر بھی اپنی مرضی سے کیا گیا اور ان کی تقلید و پیروی کو بھی خود لازم کیا گیا۔ نہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیروی کا حکم دیا۔

یہ عظیم فرق ہے، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا اور لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید کو لوگوں نے خود فرض قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کوئی حکم نہیں دیا۔

دوسرا فرق: اللہ تعالیٰ کی محبت اور مغفرت کی ضمانت

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔ (آل عمران:۳۱)

کس قدر فضیلت ہے، اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ آپ کی اتباع کے بغیر اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ قابل قبول نہیں۔ اس دعویٰ کے صدق کے لیے جس دلیل کی ضرورت ہے وہ دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾

جو لوگ ایمان والے ہیں وہ سب سے زیادہ محبت اللہ سے رکھتے ہیں۔ (البقرہ: ۱۶۵) اور اللہ کی محبت مشروط ہے، مقیّد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واطاعت کے ساتھ، آپ ﷺ کی پیروی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی محبت کا لازمی تقاضا ہے، لازمی شرط ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں اور جب ہم اتباع کریں گے تو خالق کائنات مالک ارض وسموات بذات خود ہم سے محبت کرے گا اور ہمارے گناہوں کو بھی بخش دے گا اور پھر جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اُس کی کیا شان ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

''إذا أحب الله تعالىٰ العبد نادى جبرئيل ، إن اللّٰه تعالىٰ يحب فلاناً ،فاحبه ،فيحبه جبريل فينادى فى أهل السماء ،إن اللّٰه يحب فلاناً فاحبوه ،يحبه أهل السماء ،ثم يوضع له القبول فى الأرض "۔

''جب اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلاتا ہے (اور بتاتا ہے) کہ اللہ اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہے۔ [صحیح مسلم کے الفاظ ہیں: اِنِّی اُحِبُّ فلاناً میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں] پس تو بھی اس بندے سے محبت کر۔ پھر جبریل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جبریل (علیہ السلام) آسمان والوں (فرشتوں) میں منادی (اعلان) کراتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت فرماتا ہے، پس تم بھی اس سے محبت کرو۔ آسمان والے (فرشتے) بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس شخص کے لیے زمین میں بھی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۲۰۹ وصحیح مسلم: ۲۶۳۷، دارالسلام: ۶۷۰۵)

یہ عظیم مرتبہ ومقام کیسے حاصل ہوتا ہے؟ فَاتَّبِعُوْنِیْ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے۔

یہ فضیلت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واطاعت کی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام ہیں۔

قرآن وسنت میں تلاش کیجئے کوئی ایک آیت یا ایک حدیث بھی آپ کو لوگوں کے بنائے ہوئے امام کی اتباع، اطاعت، پیروی اور فرمانبرداری کی فضیلت میں ایسی نہیں ملے گی کہ ان اماموں کی تقلید کرنے سے اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا، تمہاری مغفرت فرمائے گا۔ یہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع

اور پیروی ہی کی فضیلت ہے، اُسی اتباع کی شان وعظمت ہے۔افسوس کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع وپیروی کی یہ فضیلت دیکھی اور خود اپنے مقرر کردہ امام کی اتباع وپیروی کو اس سے تہی دامن وخالی پایا تو بعینہ یہی فضیلت وشان خود ساختہ امام کے لیے بھی گھڑ دی، علاء الدین الحصکفی نے اپنی کتاب درمختار میں لکھا:

''امام ابوحنیفہ رات کے وقت کعبہ میں داخل ہوئے، دوستونوں کے درمیان نماز کے لیے کھڑے ہوئے، اس طرح کہ پہلے اپنی دائیں ٹانگ پر کھڑے ہوئے اور بائیں ٹانگ کو دائیں کے اوپر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ آدھا قرآن مجید ختم کرلیا، پھر رکوع وسجود کے بعد اپنی بائیں ٹانگ پر کھڑے ہوئے اور دائیں ٹانگ کو بائیں پر رکھا، یہاں تک کہ پورا قرآن مجید ختم کیا، پھر جب سلام پھیرا [1] اپنے رب سے مناجات کی اور کہا: الٰہی اس بندے نے تیری عبادت کا حق ادا نہ کیا، لیکن تیری معرفت کا حق ادا کردیا۔اس کی خدمت کے نقصان کو اُس کی کمالِ معرفت کی وجہ سے بخش دے۔کعبہ کی ایک طرف سے ندا دینے والے نے ندا دی (غیب سے آواز آئی) کہ '' **یا أبا حنیفة قد عرفتنا حق المعرفة وخدمتنا فأحسنت الخدمة قد غفرنا لك ولمن اتبعك ممن كان علىٰ مذ هبك إلى يوم القيٰمة** ''

اے ابوحنیفہ! تونے ہماری معرفت کا حق ادا کردیا اور تونے خوب ہماری خدمت کی پس ہم نے تیری مغفرت کردی اور ہر اُس شخص کی بھی مغفرت کردی جو تیری اتباع کرے اور تیرے مذہب پر ہو قیامت تک کے لیے (یہی حکم ہے)''

(درمختار عربی ج ا ص ۹، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا کوئی قصور نہیں نہ ہی آپ نے کبھی ایسا دعویٰ کیا لیکن لوگ ہیں کہ اپنی طرف سے باتیں گھڑ دیتے ہیں۔غور کیجئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کی فضیلت بیان کی، لوگوں نے اپنی کتابوں میں اپنے خود ساختہ امام کے لیے یہی فضیلت گھڑ دی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے مقرر کردہ امام کے لیے قرآن مجید میں بذریعہ وحی یہ فضیلت بیان کی ہے تو ہمارے امام کو بھی اللہ نے یہ کہا ہے کہ جو تیری اتباع کرے گا ہم اُس کی مغفرت کریں گے۔گویا وحی کا سلسلہ اب تک منقطع نہیں ہوا، اب تک جاری ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ سے کس طرح بات کی اور یہ فضیلت بیان کی (معاذ اللہ)۔الغرض یہ ایک اور جوہری فرق ہے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع وپیروی وفرمانبرداری اور لوگوں کے بنائے ہوئے امام کی تقلید میں کہ اللہ کے مقرر کردہ امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والے سے اللہ محبت فرماتا ہے اور اُن کی مغفرت بھی فرمائے گا لیکن لوگوں کے مقرر کردہ امام کی ایسی کوئی فضیلت نہیں۔

تیسرا فرق:- اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے:-

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ ﴾

جس نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی پس اُس نے اللہ کی اطاعت کی (النسآء:۸۰) یہ ایک عظیم فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی ہی اطاعت وفرمانبرداری قرار دیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے

قرآن مجید میں یا احادیث مبارکہ میں لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید کو اپنی اطاعت وفرمانبرداری نہیں کہا۔ معلوم ہوا کہ اللہ کی اطاعت کا بس صرف ایک ہی ذریعہ ہے، ایک ہی راستہ ہے، ایک ہی طریقہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز بندگی وطرز زندگی کو اپنایا جائے، اسی طرح اللہ کی اطاعت ممکن ہے۔ اس کے علاوہ کوئی راستہ، کوئی طریقہ نہیں۔ یہ ایک زبردست فرق ہے، اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور لوگوں کے اپنے مقرر کردہ امام کی تقلید وپیروی میں کہ اللہ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور بندوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید کا یہ مقام نہیں کہ اسے عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دیا جاسکے۔ قرآن وسنت میں ایسی کوئی دلیل نہیں۔ (جاری ہے)

اتباع اور تقلید میں فرق

چوتھا فرق:- قبولیتِ عمل کی یقین دہانی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد:۳۳)

اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال برباد مت کرو۔

جو عمل اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے مطابق نہ ہو وہ عمل باطل ہے، اس کی کوئی فضیلت ہے نہ کوئی ثواب، اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''من عمل عملا لیس علیہ اُمرنا فھو رد'' (صحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب نقض الأ حکام الباطلۃ ورد محدثات الأ مور ح ۱۷۱۸ ودار السلام :۴۴۹۳)

جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ عمل مردود ہے، یعنی نامقبول ہے۔ اسے رد کر دیا جائے گا۔ جس عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یا طریقہ موجود نہ ہو وہ عمل ضائع ہو جاتا ہے۔ اللہ اس کو قبول نہیں کرتا اور جو عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور حکم و اطاعت کے مطابق ہو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ اِنْ تُطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا یَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝﴾

اگر تم اللہ کی اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے رہو تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کمی نہ کرے گا۔ یقیناً اللہ بخشنے اور بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (الحجرات:۱۴)

کس قدر یقین دہانی کرائی گئی، اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری میں اگر عمل کیا جائے تو اللہ اس میں کوئی کمی نہیں کرے گا بلکہ اللہ اسے قبول فرمائے گا۔ اور جو لوگوں کے مقرر کردہ اپنے بنائے ہوئے امام ہیں اُن کی تقلید کی یہ شان نہیں اُس کی یہ فضیلت نہیں، اُن کے طریقے کے مطابق ادا کئے جانے والے اعمال کے لیے یہ یقین دہانی نہیں ہے بلکہ خود ساختہ اماموں کی تقلید تو سراسر شک والی کیفیات پر مبنی ہے، اُن کا اپنا بھی یہی فیصلہ ہے، ملاحظہ کیجئے علامہ علاء الدین الحصکفی نے درمختار میں لکھا:

''إذا سئلنا عن مذھبنا و مذھب مخالفنا قلنا وجوباً مذھبنا صواب یحتمل الخطأ و مذھب مخالفنا خطأ یحتمل الصواب.''

اگر ہم سے ہمارے مذہب اور ہمارے مخالف کے مذہب سے متعلق پوچھا جائے (کہ کونسا مذہب صحیح ہے) تو

ہم یقیناً یہی کہیں گے کہ ہمارا مذہب یا ہمارا طریقِ عمل صحیح ہے، البتہ اس میں غلطی کا احتمال ہے اور ہمارے مخالف کا مذہب یا طریقِ عمل غلط ہے، ہوسکتا ہے کہ وہی صحیح ہو۔ (درمختار ج ا ص ۷)

اسی طرح مسلکِ دیوبند کے ''شیخ الاسلام'' مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ اعتقاد بھی تقلید کا بدترین غلو ہے کہ صرف ہمارے امام کا مسلک حق ہے اور دوسرے مجتہدین کے مذاہب (معاذ اللہ) باطل ہیں'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۵۷)

پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

''البتہ ایک مقلد یہ اعتقاد رکھ سکتا ہے کہ میرے امام کا مسلک صحیح ہے، مگر اس میں خطا کا بھی احتمال ہے اور دوسرے مذاہب میں ائمہ سے اجتہادی خطا ہوئی ہے لیکن ان میں صحت کا بھی احتمال ہے'' (ایضاً ص ۱۵۷)

لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ اُن کی اطاعت کرنے والا اُن کی پیروی کرے، جب اُن سے کوئی بات ثابت ہوجائے تو اُس کے پاس اس بات کے کہنے کی گنجائش ہی نہیں ہوتی کہ وہ کہے میرے امام کی یہ بات درست ہے اور معاذ اللہ اس میں خطا کا امکان ہے۔ نہیں بلکہ اُس پر لازم ہے، ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ کہے کہ میرے امام کی ہی بات درست ہے اس میں خطا کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور جو کچھ اس کے خلاف ہے وہ یقیناً غلط ہے، اس کی غلطی میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں یہ ایک اور بے مثال فرق ہے۔ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ امام کی اطاعت میں اور لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید میں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام کی اطاعت کرنے والا یقین پر ہوتا ہے اور لوگوں کی طرف سے مقرر کردہ امام کی تقلید یا پیروی کرنے والا شک وفریب میں ہوتا ہے۔

پانچواں فرق:- فیصلۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حتمی وابدی ہونا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝﴾

کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کردے تو پھر اُسے اپنے معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔ (الاحزاب: ۳۶)

اس آیت سے واضح ہوا کہ کسی مومن کے پاس اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ''فیصلے'' کے آجانے کے بعد کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، اُس کے پاس ایک ہی راستہ ہوتا ہے کہ وہ اُسے صدق دل سے تسلیم کرلے، ورنہ وہ گمراہی میں مبتلا ہوجائے گا۔ یہ شان ہے اللہ کے مقرر کردہ ''امام'' کی، اور حق کی یہی شان ہوتی ہے۔

اس کے برعکس ''خود ساختہ امام'' کے فیصلوں کی نہ تو یہ شان ہے نہ ہی اہمیت۔ اور خود اُن کے مقلدین کو بھی اس کا اعتراف ہے، دیوبندی مکتبہ فکر کے ''شیخ الاسلام'' مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''نیز جہاں مسلمانوں کی شدید اجتماعی ضرورت داعی ہو وہاں اس خاص مسئلے میں کسی دوسرے مجتہد کے قول پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے، جس کی شرائط اصول فقہ وفتویٰ کی کتابوں میں موجود ہیں، چنانچہ ''علمائے احناف'' نے انہی وجوہ سے بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کا قول چھوڑ دیا ہے، مثلاً استیجار علیٰ تعلیم القرآن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناجائز تھا، لیکن زمانے کے تغیر کی وجہ سے بعد کے فقہائے حنفیہ نے اُسے جائز قرار دیا، اسی طرح مفقود الخبر عنین اور متعنت وغیرہ کی بیوی کے لیے اصل حنفی مذہب میں گلوخلاصی کی کوئی صورت نہ تھی، چنانچہ متاخرین علماءِ حنفیہ نے ان تمام مسائل میں مالکی مذہب کو اختیار کر کے اُس پر فتویٰ دیا'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۴۱) ''آج بھی جن مسائل میں یہ محسوس ہو کہ مسلمانوں کی کوئی واقعی اجتماعی ضرورت داعی ہے، وہاں متجّر علماء ائمہ اربعہ میں سے کسی دوسرے امام کے مسلک کو اختیار کرنے کا فیصلہ کر سکتے ہیں'' (ایضاً ص ۱۴۱)

اسی طرح ایک اور مقام پر دیوبندی ''شیخ الاسلام'' تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''چنانچہ بہت سے فقہاءِ حنفیہؒ نے اسی بناء پر امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترک کر کے دوسرے ائمہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے مثلاً انگور کی شراب کے علاوہ دوسری نشہ آور اشیاء کو اتنا کم پینا جس سے نشہ نہ ہو، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قوت حاصل کرنے کے لیے جائز ہے، لیکن فقہاء حنفیہ نے اس مسئلے میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو چھوڑ کر جمہور کا قول اختیار کیا ہے، اسی طرح مزارعت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناجائز ہے لیکن فقہاء حنفیہ نے امام صاحب کے مسلک کو چھوڑ کر متناسب حصہ پیداوار کی مزارعت کو جائز قرار دیا ہے اور یہ مثالیں تو اُن مسائل کی ہیں جن میں ''تمام متاخرین فقہاء حنفیہ امام صاحب) کے قول کو ترک کرنے پر متفق ہو گئے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۰۷ تا ۱۰۸)

مفتی تقی عثمانی صاحب کی یہ تمام باتیں قابل غور ہیں خود ہی بار بار اپنے مقرر کردہ امام صاحب کی نافرمانی یا اُن کے اقوال کو جانتے بوجھتے نظر انداز و ترک کرنے کا اعلان کرتے ہیں، مثلاً امام صاحب انگور کی شراب کے علاوہ دیگر نشہ آور اشیاء کو اتنی مقدار میں پینا کہ نشہ نہ ہو، جائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن احناف اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ مزارعت ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ''ناجائز'' حنفیوں کے ہاں جائز، لاپتہ وگمشدہ شخص کی بیوی کے لیے ''اصل حنفی مذہب'' میں گلوخلاصی کی کوئی صورت نہیں پائی جاتی تھی لیکن آج کل ایسے شخص کی بیوی چار سال انتظار کے بعد ''اصل حنفی مذہب'' کے عین خلاف جان چھڑا سکتی ہے۔ کتنی ایسی باتیں ہیں جو کل تک ''اصل حنفی مذہب'' میں ''ناجائز وحرام'' تھیں آج ''جائز وحلال'' ہیں یا اس کے برعکس تو پھر حنفی مذہب اصلی کہاں رہا؟

پھر تقی عثمانی صاحب نے خود ساختہ امام کے مسلک کو چھوڑ کر چار اماموں میں سے کسی اور امام کے قول کو اختیار کرنے کا بھی صاف الفاظ میں اختیار دیا ہے۔ غور کیجئے تو یہ ایک اور عظیم فرق ہے ''اللہ کے مقرر کردہ امام'' اور ''لوگوں کے مقرر کردہ امام'' کی اطاعت میں۔ حالات کچھ بھی ہوں واقعی اجتماعی ضروریات ہی کیوں نہ داعی ہوں پر اللہ تعالیٰ

کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''چودہ سو سال'' پہلے کی حلال وجائز کردہ چیز کو حرام قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''حرام وناجائز'' کردہ چیز کو ''حلال وجائز'' قرار دیا جاسکتا ہے، بلکہ ایمان والے تو اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو حرام وناجائز قرار دیا وہ قیامت تک حرام وناجائز ہے اور جس چیز کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز وحلال قرار دیا وہ قیامت تک جائز وحلال ہے، اس کے خلاف ذہن رکھنے والا مومن نہیں ہوسکتا، اللہ کے مقرر کردہ امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فیصلہ حتمی وابدی ہے وقتی یا عارضی نہیں۔ اس میں کسی کو کسی قسم کے تغیر وتبدّل کا اختیار نہیں جبکہ ''لوگوں کے اپنے مقرر کردہ امام'' کی یہ شان نہیں خود ان کی تقلید کو فرض اور واجب قرار دینے والے لوگوں نے اپنے مقرر کردہ امام کے کتنے ہی فیصلوں کو بدل دیا ہے، اس کے خلاف اور مخالفت میں فیصلہ دیا۔ تقی صاحب لکھتے ہیں:

''بہت سے مسائل میں مشائخ حنفیہ نے امام ابوحنیفہؒ کے قول کے خلاف فتویٰ دیا ہے''

(تقلید کی شرعی حیثیت ص ۵۸)

پس یہ ایک اور واضح فرق ہے، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت اور لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید میں کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کی بات ترک نہیں کرسکتے اور بندوں کے مقرر کردہ امام کی کئی باتوں کو خود ان کی تقلید کو واجب کہنے والوں نے بھی ترک کردیا۔ باوجود اس کے وہ ان کی تقلید شخصی کو واجب سمجھتے ہیں۔ یا للعجب!

چھٹا فرق:- دردناک عذاب کی وعید

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾

''پس (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے امر کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہئے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہوجائیں یا اُن پر دردناک عذاب نہ آجائے'' (النور:۶۳)

اس آیت میں اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر یعنی حکم یا فعل کی مخالفت کرنے والے یا اس سے پہلوتہی کرنے والے کو دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ یہ شان صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم یا فعل کی ہے، لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید کی یہ شان نہیں بلکہ وہاں بلاخوف وخطر ان کے امر ونواہی کی مخالفت نہ صرف کی جاسکتی ہے بلکہ علانیہ طور پر کی گئی ہے، جس کی بہت سی مثالیں آپ فقہ کی کتابوں میں پائیں گے اور بطور نمونہ بعض مسائل تقی عثمانی صاحب کے قلم سے گزشتہ صفحات میں ہم پیش کرچکے ہیں۔ یہ ایک اور عظیم فرق ہے، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت وفرمانبرداری میں اور لوگوں کے اپنی طرف سے مقرر کردہ امام کی تقلید وپیروی میں کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی مخالفت کرے گا تو اُسے دردناک عذاب کی وعید ہے، لیکن اگر کوئی لوگوں کے مقرر کردہ امام کے امر کی مخالفت کرے تو اسے معمولی عذاب کی بھی وعید نہیں، جب ہی تو لوگوں

کے مقرر کردہ امام کی پیروی وتقلید کرنے والے ''شیخ الاسلام'' مفتی تقی عثمانی نے واشگاف اعلان فرمایا کہ:

''بہت سے مسائل میں مشائخ حنفیہ نے امام ابوحنیفہؒ کے قول کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔''

(تقلید کی شرعی حیثیت ص ۵۸)

ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی مستند ذرائع سے موجود ہے۔ اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی مخالفت کرے گا تو وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہو جائے گا، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ عذاب سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ومحبت کے حصول کے لیے اللہ کے مقرر کردہ امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے رہیں۔ اگر ابوحنیفہ یا امام شافعی وغیرہما کے کسی قول وفعل کی مخالفت کی تو کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ تم پر اللہ کا عذاب آئے گا۔

پس ہمیں سرے سے یہ جاننے کی ضرورت ہی نہیں کہ امام ابوحنیفہ یا کسی اور امام کا قول کیا ہے؟ ہمیں تو بس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کی تلاش رہنی چاہئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تلاش رہنی چاہئے۔ تاکہ ہم اُس پر عمل پیرا ہوں اور اس کی مخالفت کر کے اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مرتکب نہ ہوں۔

ساتواں فرق:- ایمان کا دارومدار

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾

(اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے (تمام) باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر جو بھی فیصلہ آپ کریں اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں۔ (النسآء:۶۵)

یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی خصوصیت ہے، آپ کے علاوہ کسی اور شخص کی بات کا انکار کفر نہیں۔

دیوبندیوں کے موجودہ دور کے ''امام اہل سنت'' مولوی سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں:

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہنچائی ہوئی اور بتائی ہوئی ہر ایک تعلیم خدا تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت ہوتی ہے'' (راہ سنت ص ۲۳)

''اور اس کی اطاعت ہر شخص پر فرض ہوتی ہے اور اُس کی پیش کردہ تعلیم کا انکار کرنے والا کافر ہوتا ہے۔ رسول کے سوا کسی دوسرے شخص کو اور اس کی پیش کردہ تعلیم کو ہرگز ہرگز یہ مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔'' (ایضاً ص ۲۳، بیسواں ایڈیشن)

اس مقام پر سرفراز خان صاحب نے صاف صاف اور واضح الفاظ میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی شخص کا یہ منصب نہیں کہ اُس کی تعلیمات کا انکار کفر ہو۔ مثلاً اگر کوئی امام ابوحنیفہ کی رائے، قیاس یا اجتہاد کا انکار کر دیتا ہے تو وہ کافر نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص امام مالک، امام شافعی یا امام احمد بن حنبل یا کسی اور امام کی

رائے وقیاس کا انکار کر دیتا ہے تو وہ کافر نہیں۔ کیونکہ لوگوں نے خود اپنی مرضی سے انہیں امام بنایا، مطاع بنایا، تقلید کے نام پر ان کی اطاعت کو اپنے آپ پر اپنی طرف سے فرض یا واجب بھی قرار دیا۔ لیکن ان کو امام ماننے والا کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ان کی رائے وقیاس کا انکار کفر ہے۔ لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مقرر کردہ امام ومطاع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مطیع بڑے ہی یقین اور وثوق سے بانگ دہل یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات تو دور آپ کی کسی ایک بھی ثابت شدہ تعلیم، گفتار یا عمل کا انکار کرنے والا یقیناً کافر ہے۔ حق کی یہی شان ہوتی ہے کہ اس کا انکار کفر ہی ہوتا ہے۔ غور کیجئے تو یہ ایک اور عظیم فرق ہے، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری میں اور لوگوں کی طرف سے بنائے گئے ائمہ کی تقلید میں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا انکار اور آپ کی نافرمانی کفر ہے اور لوگوں کے مقرر کردہ امام کی پیروی وتقلید نہ کرنا کفر نہیں۔ دوسرے لوگوں کا تو کیا ذکر خود ان کے مقلدین نے بھی ان کی کئی تعلیمات اور ان کے کئی فیصلوں کو تسلیم کرنے سے علانیہ طور پر انکار کر دیا بطور مثال پانچواں فرق ملاحظہ کیجئے۔

آٹھواں فرق: شرعی حجت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع یعنی فرمانبرداری وپیروی کا حکم دیا۔ گزشتہ اوراق میں اس کی کئی دلیلیں گزری ہیں، کوئی مسلم اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ ہم بطورِ مثال مولوی سرفراز خان صفدر کی چند عبارتیں پیش کرتے ہیں:

(۱) ''جس طرح قرآن کریم دینی مسائل میں حجت ہے اسی طرح حدیث شریف بھی حجت ہے۔''

(احسان الباری ص ۱۲)

(۲) ''قرآن پاک میں ان کے علاوہ اور بھی بے شمار دلائل ہیں، جن میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت اور فرمانبرداری کو لازم قرار دیا گیا ہے اور نافرمانوں کو عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل حجت نہ ہوتے یا بالفاظِ دیگر حدیث حجت نہ ہوتی تو قرآنِ کریم میں اتنی تاکید کبھی نہ ہوتی اور نہ ہی آپ کی مخالفت کے سلسلے میں تہدید ہوتی۔'' (احسان الباری ص ۱۶)

(۳) ''چونکہ احادیث کی حجّیت نصوصِ قطعیہ اور اجماع سے ثابت ہے۔''

(احسان الباری لفھم البخاری املائی تقریر ص ۱۶)

اسی طرح صفدر صاحب اپنی تقریر ترمذی میں لکھتے ہیں:

''حدیث:- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر کو کہتے ہیں، تقریر کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے سامنے کسی نے کوئی بات کہی یا کوئی کام کیا، آپؐ نے وہ بات سنی اور کام دیکھا اور اُس سے منع نہ کیا تو یہ بھی حدیث ہے کیونکہ نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرما کر اس کا جواز ثابت کر دیا اور تقریر کا لغوی معنیٰ ثابت کرنا ہے۔

(خزائن السنن ج ا ص ''ن'')

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل تو حجت ہے ہی پر کسی کے قول فعل پر آپ کی خاموشی آپ کا سکوت فرمانا اور منع کرنا بھی حجت ہے۔ یہ شان ہے، یہ مقام و مرتبہ ہے اللہ کے مقرر کردہ امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ چونکہ آپ کو لوگوں نے اپنی طرف سے امامت یا قیادت وسیادت کے منصب پر فائز نہیں کیا بلکہ اللہ رب العالمین نے آپ کو یہ منصب عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مطاع ومقتدا بنایا، جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل وسکوت یعنی حدیث کی حجیت کا انکار کرے وہ یقیناً کفر کا مرتکب ہے۔ اس کے برعکس لوگوں کے مقرر کردہ امام کے بارے میں اُن کی تقلید کرنے والوں کا یہ اعلان ہے جو تقی عثمانی صاحب کے قلم سے ملاحظہ کیجئے، لکھتے ہیں:

''علامہ ابن الھمامؒ اور علامہ ابن نجیمؒ ''تقلید'' کی تعریف ان الفاظ میں فرماتے ہیں:-

''التقليد العمل بقول من ليس قوله احدى الحجج بلا حجة منها''

''تقلید کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کا قول ماخذِ شریعت میں سے نہیں ہے اس کے قول پر دلیل کا مطالبہ کئے بغیر عمل کر لینا۔''

اس تعریف نے واضح کر دیا کہ مقلد اپنے امام کے قول کو ماخذِ شریعت نہیں سمجھتا، کیونکہ ماخذِ شریعت صرف قرآن وسنت (اور انہی کے ذیل میں اجماع وقیاس) ہیں۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۴)

پھر کافی آگے چل کر لکھتے ہیں:

''جبکہ اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں ''تقلید'' کی تعریف کرتے ہوئے یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ ''مجتہد'' کے قول کا حجیت شرعیہ نہ ہونا خود تقلید کی تعریف میں داخل ہے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۲۵)

اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہی نہیں بلکہ فعل وسکوت بھی حجت ہے۔ لوگوں کی تسلی کے لیے ہم نے اس سلسلے میں یہ بات اُن حضرات کی تحریروں کے حوالے سے ذکر کی ہے جو خود لوگوں کے مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید کرنے والے ہیں اور پھر انہی حضرات کا یہ واشگاف اعلان ہے کہ ان کے اپنے مقرر کردہ ''امام'' کا قول ''حجتِ شرعی'' نہیں۔ سرفراز خان صفدر صاحب نے بھی یہ بات بیان کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''اصطلاحی طور پر تقلید کا یہ مطلب ہے کہ جس کا قول حجت نہیں اس کے قول پر عمل کرنا۔'' (الکلام المفید ص ۳۵)

اسی طرح مولوی احمد رضا خان بریلوی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے:

''تقلید غیر کے قول پر بلا حجۃ عمل کا نام ہے..... اِلخ'' (فتاویٰ رضویہ ج ا ص ۱۰۴)

جب قول ہی حجت شرعی نہیں تو فعل، سکوت یا تقریر کس طرح حجت ہو سکتے ہیں۔ الغرض یہ ایک اور عظیم فرق ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور لوگوں کے مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر بات حجت شرعی ہے اور اپنے بنائے ہوئے امام کی بات اُن کا قول وفعل سرے سے ''حجت شرعی'' نہیں۔

افسوس کہ اس کے باوجود لوگ بضد ہیں کہ ان کے خود مقرر کردہ امام کی ''تقلید'' واجب ہے اور جو لوگ اُن کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتے اور ''شرعی حجت'' نہ ہونے کی وجہ سے ان کے امام کی پیروی نہیں کرتے تو یہ لوگ اُن پر طرح طرح کے لعن طعن کرتے ہیں۔ واجب تو ایک شرعی حکم ہے، جب اُن کے مقرر کردہ کسی بھی امام کا قول ''شرعی حجت'' نہیں تو اُن کی تقلید کس طرح واجب ہو سکتی ہے؟

نواں فرق:۔حکمِ اطاعت وفرمانبرداری

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْماً فَاتَّبِعُوْهُ﴾

(اے نبی ﷺ کہہ دیجئے) بے شک یہی میرا سیدھا راستہ ہے، پس تم اس کی اتباع کرو۔ (الانعام:۱۵۳)

اس کے علاوہ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ آپ لوگوں کو اپنی اطاعت واتباع، فرمانبرداری وپیروی کا حکم دیں۔ اس سلسلے میں احادیث بھی کافی وارد ہوئی ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''كل أمتي يدخلون الجنة إلا من أبىٰ، قالوا: يا رسول الله ومن يأبى؟ قال: من أطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد أبىٰ .''

ترجمہ: ''میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے انکار کیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کون انکار کرے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے انکار کیا۔ (بخاری:۷۲۸۰)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مَنْ أَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ يَعْصِنِیْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ'' جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ (صحیح مسلم کتاب الامارۃ ح:۱۸۳۵ودارالسلام ح:۴۷۴۷)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عمل کیا اور لوگوں کو اس عمل میں رخصت دے دی، لیکن بعض لوگوں نے وہ رخصت قبول کرنے سے گریز کیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ (پہلے) اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی، پھر ارشاد فرمایا: ''مابال اقوام يتنزهون عن الشيئ أصنعه ؟ فو الله إني لأعلمهم بالله وأشدهم له خشية ''لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ جو کام میں کرتا ہوں کچھ لوگ اس سے پرہیز کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں تمام لوگوں کی نسبت اللہ کے بارے میں زیادہ علم رکھتا ہوں (یعنی اس کی مرضی ومنشا اور اس کی ناراضی کے اسباب سے خوب واقف ہوں) اور لوگوں کی نسبت اللہ سے

زیادہ ڈرنے والا ہوں۔(بخاری:۶۱۰۱، ۷۳۰۱ وصحیح مسلم:۲۳۵۶ ودار السلام:۶۱۰۹)

اس پر بکثرت احادیث مروی ہیں استیعاب مقصود نہیں۔آیت مبارکہ اور احادیث مذکورہ پر غور کیجئے تو واضح ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کے ساتھ اپنی اطاعت کا حکم دیا اور جن امور سے آپ نے منع فرمایا اُن سے باز رہنے کا حکم دیا۔اپنی اطاعت وفرمانبرداری کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری قرار دیا اور اپنی نافرمانی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی قرار دیا اور دخول جنت کی لازمی شرط اپنی اطاعت وفرمانبرداری کو قرار دیا۔یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی صراطِ مستقیم ہے،جس کی ہر مومن ومسلم کو طلب ہے۔یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العالمین کی طرف سے مبعوث،مطاع،امام اور مقتدا ہیں۔

اس کے برعکس لوگوں نے خود اپنے لیے جن شخصیات کا انتخاب کیا اور انہیں اپنا ''امام'' بنایا انہوں نے کبھی بھی اپنی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم نہیں دیا بلکہ اس سے منع فرمایا۔شاہ ولی اللہ الدہلوی فرماتے ہیں:

''فان هؤلاء الفقهاء كلهم قدنهوا عن تقليدهم وتقليد غيرهم ،فقد خالفهم من قلدهم''

''یقیناً ان تمام فقہا نے اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع فرمایا ہے،پس جس کسی نے اُن کی تقلید وپیروی کی انہوں نے ان فقہا کی مخالفت کی۔'' (حجۃ اللہ البالغۃ ج ا ص ۱۵۵)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فرمان:

''لايحل لاحد يأخذ بقولي مالم يعلم من أين قلته ونهى إلى التقليد وندب الى معرفة الدليل''

''کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ میرے قول کو لے،اُس پر عمل کرے جب تک کہ وہ یہ نہ جانتا ہو کہ میں نے کس دلیل سے یہ بات کہی ہے۔تقلید سے منع فرمایا اور دلیل کی معرفت حاصل کرنے کی ترغیب دلائی۔''

(مقدمہ عمدۃ الرعایۃ ج ا ص ۹)

یہ بات مولوی احمد رضا خان بریلوی نے بھی اپنے فتاویٰ میں تحریر کی ہے۔(فتاویٰ رضویہ ج ا ص ۷۹)

امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان:

''مامن أحد إلا وهو مأخوذ من كلامه ومردود عليه إلا رسول الله ﷺ''

''کوئی شخص ایسا نہیں کہ اُس کی بات لی بھی جاسکتی ہو اور اُس پر رد بھی کیا جاسکتا ہو سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔'' (حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۱۵۷)

امام شافعی کا فرمان:

''وقال يوما للمزني:ياإبراهيم لاتقلدني في كل ماأقول وانظر في ذلك لنفسك فإنه دين ''

''ایک دن اپنے شاگرد ابراہیم المزنی سے فرمایا: اے ابراہیم! میری ہر بات کی تقلید مت کرو بلکہ خود اپنے لیے (قرآن وسنت سے) دلائل دیکھو اس لیے کہ یہ دین ہے۔(حجۃ اللہ البالغۃ ج ا ص ۱۵۷)

﴿قال صاحبه المزني في أول مختصره..... من أراد علم الشافعي نهى الشافعي عن تقليده

وتقلید غیرہ ﴾

امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد ابراہیم المزنی نے اپنی اول مختصر میں فرمایا..... ''جو کوئی شافعی کے علم کو چاہتا ہے (تو وہ جان لے) امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی اور اپنے علاوہ کسی اور کی بھی تقلید سے منع فرمایا ہے'' (حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۴۴۶)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا فرمان:

''لا تقلدني ولا تقلدن مالكاً ،ولا الأوزاعي ،ولا النخعي ولا غيرهم ،وخذ الأحكام من حيث اخذوا من الكتاب والسنة''

''میری تقلید ہرگز نہ کرنا اور نہ ہی مالک رحمہ اللہ کی اور نہ ہی اوزاعی ونخعی کی اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی اور کی تقلید کرنا اور دینی احکام وہیں سے لینا جہاں سے انہوں نے لیے یعنی قرآن وسنت سے۔'' (حجۃ اللہ البالغۃ ج ا ص ۱۵۷) (۱)

غور کیجئے! تو یہ ایک اور واضح فرق ہے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت وفرمانبرداری میں اور اپنی طرف سے مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری ان کے حکم سے ہو رہی ہے اور ان اماموں کی تقلید ان کے مذکورہ بالا فرامین کے عین خلاف ہو رہی ہے۔ ان کی مرضی کے خلاف ہو رہی ہے۔ اگر تقلید کوئی اچھی چیز ہوتی تو ائمہ کرام تقلید سے کیوں منع فرماتے؟ معلوم ہوا کہ نہ تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اماموں کی اطاعت کا حکم دیا نہ ان اماموں نے خود اپنی تقلید کا حکم دیا بلکہ انہوں نے تو صاف اور واضح الفاظ میں اس سے منع فرمایا اور قرآن وسنت کو اپنانے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ علماء تھے وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سارے عالم کی ہدایت کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا انہی کی غیر مشروط ومکمل اطاعت واتباع کو قیامت تک کے لیے فرض قرار دیا ہے، انہی کی اطاعت واتباع صراط مستقیم ہے اور انہی کی اطاعت وفرمانبرداری میں نجات ہے، جنت ہے اور ان سب سے بڑھ کر اللہ رب العالمین کی رضا ہے۔ **ورضوان من اللہ اکبر**

لیکن افسوس صد افسوس کہ یہ مقلدین اس قدر مغرور ہیں کہ اللہ تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری سے مستغنی وبے پروا ہو کر چوتھی صدی کے بعد ''تقلید'' کی بدعت ایجاد کی۔ مذمت میں قرآن وسنت کے دلائل کو نظر انداز کر دیا حتیٰ کہ اتنے متشدد وسخت ہیں کہ جنہیں اپنے لیے ''امام'' منتخب کیا تقلید کے لئے ان کے فرامین کو بھی خاطر میں نہ لائے آج تک تقلید شخصی کے واجب ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اللہ ہی ان مفتیان بے توفیق کو سمجھ عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین .

دسواں فرق:۔ مکمل اطاعت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

---

(۱) صفحہ ۱۷، ۱۸ پر سب اقوال بطور الزامی جواب ہیں کیونکہ دیوبندی اور حنفی حضرات کے ہاں شاہ ولی اللہ الدہلوی مسلمہ امام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

الْعِقَابِ﴾

اور جو تمہیں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) دیں اُسے لے لو اور جس چیز سے منع فرمائیں اُس سے باز رہو اور تم اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (الحشر: ۷)

اس آیتِ مبارکہ کا حکم عام ہے کہ جو حکم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں اُس پر عمل کرنا ہے اور جس چیز سے بھی منع فرمائیں اُس سے رک جانا ہے۔ اس تسلسل میں تقویٰ کا حکم دینا ظاہر کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرنا اور آپ کی نافرمانی نہ کرنا تقویٰ کا لازمی تقاضا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنا، آپ کے حکم کو قبول نہ کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی اور ممنوعہ امور کی خلاف ورزی کرنا اللہ رب العزت کے عذاب کا موجب ہے جیسا کہ (اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾) کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ المختصر قرآن مجید کی اس آیت اور دیگر آیات سے ہمیں یہی حکم ملتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اطاعت و فرمانبرداری کریں زندگی کے تمام امور میں خواہ اُن کا تعلق اعتقادیات سے ہو، فروعات سے ہو، معیشت و تجارت سے ہو، سیاسیات سے ہو، عائلی و خانگی امور سے ہو، ہر ہر معاملے میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل پیروی کرنی ہے۔ ہمیں یہ اختیار قطعاً نہیں کہ ہم کہیں کہ فلاں فلاں کے فرامین یا فیصلوں پر عمل کرنا ہے ہرگز نہیں اس کا تصور بھی نہیں کرنا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: ﴿من رغب عن سنتي فليس مني﴾ جس نے میری سنت سے منہ موڑا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ (صحیح بخاری کتاب النکاح باب الترغیب فی النکاح ح ۵۰۶۳)

سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ﴿فإني أخشى إن تركت شيئا من أمره أن ازيغ﴾ میں کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑتا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کیا کرتے تھے، کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر (یعنی آپ کے قول و فعل) میں سے کسی بھی چیز کو چھوڑوں گا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ (صحیح البخاری کتاب فرض الخمس ح ۳۰۹۳ وصحیح مسلم ح ۱۷۵۹ او دار السلام ح ۴۵۸۰ کتاب الجهاد عن عائشة صديقة رضی اللہ عنہا)

یہ فرمان ہے اُس ہستی کا جنہیں بارگاہ رسالت سے ''صدیقیت'' کی سند ملی اور جنہیں دنیا میں جنت کی خوشخبری دی گئی، اور جن کے ''أفضل البشر بعد الأنبياء'' ہونے پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ وہ حقیقت کا اظہار فرما رہے ہیں، لوگوں کو ذہن نشین کرا رہے ہیں کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی امر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کو ترک کر دوں، چھوڑ دوں تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ الحمد للہ یہ عظیم الشان مقام ہے اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کا۔ چونکہ آپ کو اللہ رب العالمین نے ''مطاع'' و ''مقتدا'' بنایا ہے، اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کو امامت کے منصب پر فائز فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے۔

اس کے برعکس لوگوں کے بنائے ہوئے یا مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید کا یہ مقام و مرتبہ قطعاً نہیں۔ کتنے ہی معاملات ایسے ہیں جن میں یہ اپنے مقرر کردہ خود ساختہ ''امام'' کی تقلید کے قائل نہیں۔

فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔

''وإن خالف أبا حنيفة رحمه الله صاحباه في ذلک فان کان اختلافهم اختلاف عصر و زمان کالقضاء بظاهر العدالة يأخذ بقول صاحبيه لتغير احوال الناس ، وفي المزارعة والمعاملة ونحوهما يختار قولهما لاجتماع المتاخرين علی ذلک'' (فتاویٰ قاضی خان ۲/۱)

''اگر ابوحنیفہ کے صاحبین نے ابوحنیفہ کی مخالفت کی اور مخالفت کی وجہ زمانہ ہو جیسے گواہ کی ظاہری عدالت پر فیصلہ کرنا تو صاحبین کے قول پر فیصلہ ہوگا اسی طرح مزارعت اور معاملات اور ان کی طرح دیگر امور میں بھی صاحبین کا قول اختیار کریں گے متاخرین کے اس پر اجتماع کی وجہ سے۔''

علامہ ابن عابدین الشامی (فتاوی) السراجیہ کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

''وقيل إذا کان أبو حنيفة في جانب وصاحباه في جانب فالمفتي بالخيار والأول اصح إذا لم يکن المفتي مجتهداً''

''اگر (امام) ابوحنیفہ کسی مسئلے میں ایک جانب اور ان کے صاحبین (یعنی دونوں شاگرد) دوسری جانب ہوں تو مفتی کو اختیار ہے کہ جس کا چاہے قول لے لے۔'' (ردالمحتار ج ۱ ص ۷۰)

اسی طرح لکھتے ہیں:

''وقد صرّحو بأن الفتوىٰ علی قولِ محمد في جميع مسائل ذوی الأرحام وفي قضاء الاشباه والنظائر الفتوىٰ علی قول أبي يوسف فيما يتعلق بالقضاء کما في القنية والبزازية اى لحصول زيادةالعلم له به بالتجربة (ردالمحتار ج ۱ ص ۷۱ والنسخة الاخری ۱/۵۳) وفي شرح البيری أن الفتوىٰ علی قول أبی يوسف أيضاً في الشهادات ، وعلی قول زفر في سبع عشرة مسئلة حررتها في رسالة''

اور علماء نے صراحت کی ہے کہ ذوی الارحام یعنی رشتہ داری سے متعلق تمام مسائل میں امام محمد کے قول پر فتویٰ ہے اور ''الاشباہ والنظائر'' کے قضاء میں ہے کہ ''قضاء'' (فیصلوں) سے متعلق تمام مسائل میں قاضی ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ہے۔ شرح البیری میں ہے کہ گواہی سے متعلق مسائل میں بھی انہی کے قول پر فتویٰ ہوگا اور سترہ (۱۷) مسائل میں زفر کے قول پر فتویٰ ہے جنہیں میں نے ایک رسالے میں تحریر کیا ہے۔ (ایضاً ج ۱ ص ۷۱)

مذکورہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہا کی تصریحات سے درج ذیل مسائل میں فتویٰ امام ابوحنیفہ کے قول کے بجائے ان کے صاحبین کے قول پر ہے۔

(۱) ظاہری عدالت سے متعلق مسائل پر

(۲) مزارعت یعنی زمینداری سے متعلق مسائل پر

(۳) معاملات سے متعلق مسائل پر

(۴) ذوی الارحام (رشتہ داری) سے متعلق مسائل پر

(۵) قضا (فیصلوں) سے متعلق مسائل پر

(۶) گواہی سے متعلق مسائل پر

(۷) اسی طرح سترہ (۱۷) مختلف مسائل پر زفر کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے۔

اب دیکھئے یہ کس قدر اہم مسائل ہیں ان پر یہ اپنے مقرر کردہ ''امام'' کے قول پر فتویٰ دینا پسند نہیں کرتے۔ بلکہ اصول بنا لئے گئے ہیں کہ ان مسائل پر صاحبین کے قول پر ''فتویٰ'' دیا جائے اور بعض چیزوں میں ابوحنیفہ کے مقابلے میں ان کے شاگردوں کے علم و تجربہ کی زیادتی کا اعتراف ہی نہیں کیا بلکہ اسی بنا پر ان کے قول پر فتویٰ دینے کو ترجیح دی گئی۔

دیوبندی ''شیخ الاسلام'' مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں: ''تمام اصولِ فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ تقلید عقائد اور ضروریات دین میں نہیں ہوتی'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۱۶)

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اصول عقائد میں تقلید کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔

دیوبندی مکتبہ فکر کے موجودہ ''امام اہلسنت'' سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں:

''بفضلہ تعالیٰ یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ عقائد اور اصولِ دین میں تقلید جائز اور درست نہیں ہے اور نہ ہی نصوص قرآن کریم اور صریح و صحیح احادیث اور اجماع امت کے خلاف مسائل میں تقلید جائز ہے۔''

(الکلام المفید ص ۲۳۵)

ان کے ''وکیل احناف'' اور ''مناظر اسلام'' امین اوکاڑوی نے لکھا:

''صرف مسائل اجتہادیہ میں تقلید کی جاتی ہے۔'' (مجموعہ رسائل جدید ایڈیشن ج ۱ ص ۱۹)

اسی طرح بریلویوں کے ''حکیم الامت'' احمد یار خان نعیمی صاحب نے لکھا ہے کہ:

''تفسیر روح البیان آخر سورۃ ھود آیت **نصیبھم غیر منقوص** میں ہے ''**وفی الآیة ذم التقلید وھو قبول قول الغیر بلادلیل وھو جائز فی الفروع والعملیات ولا یجوز فی اصول الدین والاعتقادیات بل لابدمن النظر والاستدلال**..... عقائد میں تقلید جائز نہیں۔''

(جاء الحق ص ۲۵، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور)

''حکیم الامت'' صاحب نے اس عبارت کا ترجمہ نہیں لکھا جو کچھ اس طرح ہے:

''اس آیت میں تقلید کی مذمت ہے اور تقلید (کہتے ہیں) کسی غیر کے قول کو بلا حجت تسلیم کرنا اور یہ (تقلید) جائز ہے فروعات و عملیات میں اور جائز نہیں اصولِ دین اور عقائد میں بلکہ دلیل پر نظر اور استدلال لازمی ہے۔''

اسی طرح نعیمی صاحب نے لکھا ہے:

''نیز تفسیر کبیر پارہ دس زیر آیت ''**فاجرہ حتی یسمع کلام اللّٰہ** میں ہے **ھذہ الآیة تدلّ علی أنّ التقلید غیر کاف فی الدین وانّہ لابد من النظر والاستدلال**''

(جاء الحق ص ۲۵، پرانا نسخہ ص ۱۸ مکتبہ اسلامیہ لاہور۔ ص ۲۵، ضیاء الدین پبلیکیشنز)
موصوف نعیمی صاحب نے اس عبارت کا ترجمہ لکھنے میں بھی کوئی دلچسپی نہیں لی، ترجمہ کچھ اس طرح ہے:
''یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ بے شک دین میں تقلید کافی نہیں ہے اور یہ کہ تحقیق و استدلال لازمی ہے۔''
الغرض ان عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل امور میں بھی اپنے بنائے ہوئے ''امام'' کی تقلید کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

(۱) عقائد میں

(۲) اصول عقائد میں

(۳) صریح احکام میں (جاء الحق ص ۲۶ پرانا نسخہ ص ۷ ملخصاً، مکتبہ اسلامیہ)

(۴) اصولِ دین میں

(۵) ضروریات دین میں

قصہ مختصر بقول ''وکیل دیوبندیت'' امین اوکاڑوی صرف ''مسائل اجتہادیہ'' میں تقلید کی جاتی ہے۔ بقیہ تمام امور میں اپنے بنائے ہوئے ''امام'' کی تقلید کو غیر ضروری ہی نہیں بلکہ ناجائز اور حرام سمجھتے ہیں۔ واجب کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اب غور کیجئے! اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری اور لوگوں کے خود ساختہ امام کی تقلید یعنی بلاحجت شرعی پیروی میں کس قدر واضح فرق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر معاملے میں اتباع وفرمانبرداری لازمی ہے۔ خواہ وہ عقائد کے مسائل ہوں، اصول دین ہوں یا ضروریاتِ دین، صریح احکام ہوں، ظاہری عدالت، مزارعت، قضا، شہادت، تجارت، معیشت، سیاست بلکہ تمام معاملات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری اتباع وپیروی اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرض ہے، لازم ہے۔ کوئی صاحبِ ایمان یہ کہنے کی جسارت نہیں کرسکتا کہ فلاں فلاں امور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے کسی اور کے قول وفعل پر فتویٰ ہوگا (نعوذ باللہ) اور نہ کوئی صاحبِ ایمان یہ جرأت کرسکتا ہے کہ وہ کہے کہ چونکہ فلاں فلاں دینی امور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے فلاں شخص کا علم وتجربہ زیادہ ہے (نعوذ باللہ) پس اسی لیے ان امور میں فلاں شخص کے قول پر فتویٰ ہوگا جیسا کہ اپنی طرف سے مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید کرنے والوں نے اپنے امام کے متعلق کہا اور ان کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اللہ کے مقرر کردہ امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہنا ایمان وہدایت واسلام سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے مترادف ہے۔ پس یہ ایک اور عظیم فرق ہے اللہ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت وپیروی میں اور لوگوں کے خود ساختہ امام کی تقلید میں۔
سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
'' والذی نفس محمد بیدہ لو بدالکم موسی فاتبعتموہ وترکتموني لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیًّا وأدرک نبوتي لاتبعني'' (سنن الدارمی: ۴۴۱ دوسرا نسخہ: ۴۴۹ وسندہ ضعیف، فیہ مجالد بن سعید وھو ضعیف عند الجمہور)

''اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، اگر موسیٰ علیہ السلام تمہارے سامنے تشریف لے آئیں اور تم میرے بجائے اُن کی اتباع کرنے لگو تو سیدھے راستے سے گمراہ ہو جاؤ گے اور موسیٰ علیہ السلام اگر زندہ ہوتے، تو وہ بھی میری اتباع کرتے۔'' یہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ اور آپ کی اطاعت واتباع کی اہمیت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد آپ کا طریقہ چھوڑ کر کسی نبی علیہ السلام کی پیروی بھی نہیں کی جاسکتی ورنہ گمراہی و بے راہ روی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ اب امتی وغیر نبی کس شمار میں ہیں؟ لہٰذا ایمان وعقل کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ہر معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنت وہدایت کے طلبگار رہیں اور خلوص کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہوں۔

گیارہواں فرق: ترکِ اطاعت ہلاکت و بربادی

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

''قد ترکتکم علی البیضاء لیلها کنهارها لایزیغ عنها بعدی إلا هالک''

''(لوگو)! میں تمہیں ایسے دین پر چھوڑے جا رہا ہوں جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے۔ میرے بعد اس سے صرف وہ شخص گریز کرے گا جسے ہلاک ہونا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ح:۴۳ بإسنادہ صحیح)

یہ حدیث وضاحت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسے دین پر چھوڑا جس کی راتیں بھی دن کی طرح روشن ہیں۔ اس میں کہیں اندھیرا نہیں، روشنی ہی روشنی ہے۔ روشنی میں ہر چیز واضح نظر آتی ہے، کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی کہ جس کا دیکھنا مشکل ہو۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو جس دین پر چھوڑا اُس دین کی ہر ہر بات انتہائی روشن ہے، واضح ہے، اس میں کہیں پیچیدگیاں، موشگافیاں اور الجھنیں نہیں ہیں، نہ ہی یہ بہت زیادہ مشکل اور کانٹوں بھری وادی ہے، جیسا کہ بعض لوگ کہتے اور سمجھتے ہیں۔

اس قدر روشن اور اتنے آسان دین سے وہی شخص دور ہوگا وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ہلاکت، بربادی اور تباہی چاہتا ہو۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ''امام'' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان فرمودہ دین۔ جبکہ لوگوں کے اپنی طرف سے مقرر کردہ دین کے امام کی یہ حیثیت نہیں، نہ تو انہوں نے کبھی اس طرح کا دعویٰ کیا اور یقیناً ان کے فرمودات میں نقص ہے کہ جس کی تلافی کے لیے لوگوں نے ان کے علاوہ دیگر لوگ بھی تلاش کر لیے کہ فلاں اور فلاں قسم کے مسائل میں فلاں اور فلاں کے قول پر فتویٰ ہوگا، اور اس پر عمل ہوگا اپنے مقرر کردہ امام کے قول پر نہ فتویٰ ہوگا نہ ہی عمل۔ یقیناً یہ روشن اور واضح نہیں ہے، اسی وجہ سے تو یہ ضرورت پیش آئی۔ اگرچہ لوگ عام طور پر یہ کہے سنے جاتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے دین کو آسان اور واضح کر دیا۔ اگر اتنا ہی آسان کر دیا تھا تو آپ آج تک اُس میں (کتر بیونت) کمی بیشی کیوں کر رہے ہیں جس کی مثالیں ہم فرق میں واضح کر چکے ہیں۔ یہ کیا آسانی ہوئی کہ آپ کو آج تک کمی بیشی کی ضرورت پڑ رہی ہے اور آئندہ بھی آپ اس کی ضرورت سے انکار نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل بیان فرمایا وہ ہمیشہ ہی سے آسان تھا اور قیامت تک کے

انسانوں کے لیے آسان ہی رہے گا۔ البتہ اس کے لیے ذوق ومحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اشد ضرورت ہے۔ غور کیجئے تو یہ ایک اور عظیم فرق ہے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور لوگوں کے خود ساختہ امام کی تقلید میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے ہٹنے والا ہلاکت وبربادی کے راستے پر چل پڑتا ہے، لیکن لوگوں کے بنائے ہوئے اماموں کی تقلید کی یہ شان نہیں اُن کی تقلید ترک کرنا ہلاکت وبربادی نہیں۔ بلکہ بعض میں ایمان کی عین شرط ہے جب کہ ان کی بات قرآن وسنت کے خلاف ہو۔

بارہواں فرق: اللہ تعالیٰ کی خاص حفاظت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝﴾

اور اگر (ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) بعض باتیں گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیتے تو ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم ان کی شہ رگ کاٹ ڈالتے۔ پھر تم میں سے کوئی ہمیں اس (کام) سے روکنے والا نہ ہوتا'' (الحاقۃ: ۴۴ تا ۴۷)

آج کوئی کوتاہ فہم نادان یہ ہرگز نہ سمجھے کہ یہ رب الکریم کی اپنے منتخب آخری رسول خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈانٹ ڈپٹ ہے (نعوذ باللہ من سوء الفھم) ہرگز نہیں یہ ڈانٹ ڈپٹ نہیں یہ تو رب الکریم کی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق وصدق کی نازل کردہ ٹھوس، واضح اور مضبوط برہان ودلیل ہے۔ آپ کے مخالفین کے الزام کا ایک دندان شکن جواب ہے جو بد بخت آپ پر بہتان طرازی کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ قرآن اپنی طرف سے گھڑ لائے ہیں، ان کی ناپاک زبانیں بند کرنے کے لیے ایک مسکت ولاجواب دلیل ہے۔ جس کے سامنے وہ بالکل عاجز وبے بس ہو چکے ہیں۔ للہ الحمد

وہ اس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تریسٹھ (۶۳) سال کی مبارک عمر پوری فرمائی اور طبعی طور پر وفات پائی۔ اس شان سے کہ اللہ تعالیٰ نے معجزات ودلائل کے ذریعے آپ کی بھرپور نصرت وتائید فرمائی، آپ کے تمام دشمنوں پر آپ کو مکمل غلبہ عطا فرمایا اور آپ کے دشمنوں کو نیست ونابود کر دیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ معاملہ پیش نہ آیا معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے زندگی بھر میں کوئی ایک بات نہیں گھڑی، اپنی طرف سے کوئی بات نہیں بنائی۔ بلکہ پوری زندگی اللہ کے احکام ہی کی تبلیغ فرمائی، اپنی مرضی سے اپنی رائے وقیاس سے کوئی حکم لاگو نہیں فرمایا۔ یہ خاص شان وعظمت ہے اللہ کے مقرر کردہ ''امام'' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

جبکہ جن لوگوں کو لوگوں ہی نے اپنی طرف سے ''امام'' مقرر کیا، ان کی نہ تو یہ شان وعظمت ہے نہ ہی یہ مقام، نہ ہی اللہ تعالیٰ نے اُن سے متعلق ایسی کوئی تائید ودلیل نازل فرمائی بلکہ وہ تو عدم دلائل کی صورت میں اپنی رائے وقیاس سے بھی حکم صادر فرماتے تھے مثلاً مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''مثلاً انگور کی شراب کے علاوہ دوسری نشہ آور اشیاء کو اتنا کم پینا جس سے نشہ نہ ہو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قوت

حاصل کرنے کے لیے جائز ہے۔لیکن فقہاء حنفیہ نے اس مسئلے میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو چھوڑ کر جمہور کا قول اختیار کیا ہے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۰۷، ۱۰۸)

اب غور کیجئے! قرآن وسنت میں یقیناً ایسی کوئی دلیل نہیں کہ انگور کی شراب کے علاوہ دوسری نشہ آور اشیاء یا دیگر اشیاء سے تیار کردہ شراب اتنی کم مقدار میں پینا کہ نشہ نہ ہو، محض قوت حاصل کرنے کے لیے جائز ہے بلکہ دلائلِ قرآن وسنت اس کے خلاف ہیں، اس لیے تو بعد کے حنفیوں نے بھی امام صاحب کے اس قول کو چھوڑ دیا اور دیگر اشیاء سے تیار کردہ شرابیں بھی حرام قرار دے دیں۔

المقصود جب قرآن وسنت میں اس کی دلیل نہیں تو یقیناً امام صاحب (ابوحنیفہ) نے یہ فتویٰ محض اپنی رائے وقیاس سے دیا، اس کی وجہ خواہ کچھ بھی ہو ہم یہ قطعاً نہیں کہتے کہ معاذ اللہ امام ابوحنیفہ نے جان بوجھ کر ہی ایسا کیا، ممکن ہے اس سلسلے میں انہیں قرآن وسنت کے دلائل سے آگاہی نہ ہو اگر وہ جانتے تو جانتے بوجھتے قطعاً یہ فتوی نہ دیتے، الغرض یہ فتویٰ ان کی اپنی رائے وقیاس سے تھا۔

یہ ایک اور واضح فرق ہے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد صلی اللہ علی وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری میں اور لوگوں کے اپنی طرف سے مقرر کردہ امام کی تقلید میں کہ اگر اُن کی تقلید کرتے رہیں تو بہت سی حرام چیزوں کو بھی حلال کہنا پڑے گا اور حلال چیزوں کو حرام۔(نعوذ باللہ)

اور یہ کہ اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے تھے اور لوگوں کے مقرر کردہ امام غلطی سے یا عدم علم یا دلیل بروقت مستحضر نہ ہونے کی وجہ سے بھی اپنی رائے وقیاس سے فتویٰ دے دیتے تھے۔ ان کی تنبیہ کے لیے بروقت وحی کا نزول نہیں ہوتا تھا، غور کیجئے یہ ایک اور عظیم الشان فرق ہے۔

تیرہواں فرق:-خطا پر باقی رہنا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾

اور یہ (نبی) اپنی طرف سے نہیں بولتے، وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔(النجم ۳،۴)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی وخواہش سے نہیں بولتے تھے بلکہ دین کے سلسلے میں آپ نے صرف وہی تعلیمات ارشاد فرمائیں جن کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی حکم دیا اور اگر زندگی میں چند ایک بار بتقاضائے بشریت ایسی کوئی بات سامنے آئی بھی تو اللہ رب العالمین نے فوراً وضاحت کے لیے وحی نازل فرمائی، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کے بارے میں فرمایا تھا کہ اب میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ نہیں کھاؤں گا (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ التحریم ح ۴۹۱۲) تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ﴾ إلخ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیوں (اپنے آپ پر) حرام فرماتے ہیں، جسے اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے۔(التحریم:۱)

حالانکہ احادیث سے واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر اسے حرام قرار نہیں دیا تھا لیکن چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق سے نکلا ہوا ایک ایک فقرہ اور جملہ ضابطہ حیات ہے، ہر ہر عمل مشعل رشد و ہدایت ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہتی دنیا تک کے لیے امام، مقتدا و مطاع ہیں، آپ کی اطاعت و اتباع کا حکم ہے تو لوگ کہیں آپ کی پیروی میں ایک حلال چیز کو حرام نہ کر بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ نے وضاحت نازل فرمادی۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی خاص نگرانی میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''معصوم عن الخطاء'' تھے اگر ایک آدھ واقعہ پیش آیا بھی تو اُس کی فوراً اصلاح کر دی گئی آپ کو خطا پر باقی نہیں رکھا گیا، لہٰذا ان کے کسی قول و فعل میں خطا کا امکان نہیں یہ اللہ کے مقرر کردہ امام کی شان و عظمت ہے۔ اب لوگوں کی طرف سے مقرر کردہ یا لوگوں کے بنائے ہوئے اماموں کا حال ملاحظہ کیجئے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''اور ائمہ مجتہدین کے بارے میں تمام مقلدین کا عقیدہ یہ ہے کہ اُن کے ہر اجتہاد میں خطاء کا احتمال ہے۔''
(تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۲۵)

سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں: ''کتب اصول میں وہ صراحت سے یہ قاعدہ بیان کرتے ہیں کہ المجتہد یخطئ ویصیب یعنی مجتہد کی رائے خطا بھی ہوسکتی ہے اور درست بھی ہوسکتی ہے وہ معصوم نہیں۔'' (الکلام المفید ص ۳۳۰۔ اس کے علاوہ ص ۳۳۱)

اسی طرح سرفراز خان صفدر صاحب اپنی ایک اور کتاب (ازالۃ الریب) میں ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی الحنفی اور شیخ احمد المدعو، مُلا جیون الحنفی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''وإن كان أخطأ الرّأى ينزل الوحى للتنبيه على الخطأ وماتقرّر على الخطأ قط بخلاف سائر المجتهدين فانهم إن أخطأ وا يبقى خطأ هم إلى يوم القيامة'' (نورالانوار مع المنار ص ۲۱۸)

اور اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے خطا سرزد ہوتی تھی تو خطا پر تنبیہ کے لیے وحی نازل ہوتی تھی اور آپ کو خطا پر ہرگز برقرار نہیں رکھا جاتا تھا، بخلاف دیگر سب مجتہدین کے کیونکہ اگر ان سے خطا سرزد ہو جائے تو قیامت تک اُن کی خطا باقی رہتی ہے۔'' (ازالۃ الریب ص ۸۶)

قیامت تک خطا باقی رہنے کی ایک وجہ تو ظاہر ہے کہ اُن پر وحی کا نزول نہیں ہوتا اور دوسرا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ''امام'' نہیں کہ جن کا ہر ہر قول ضابطہ حیات ہو اور ہر ہر عمل رشد و ہدایت ہو اور نہ ہی اللہ کی طرف سے مقتدا و مطاع ہیں۔ غور کیجئے تو ایک اور واضح فرق ہے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت میں اور بندوں کی طرف سے مقرر کردہ امام کی تقلید میں کہ اللہ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت میں خطا کا احتمال تک نہیں اور بندوں کی طرف سے بنائے ہوئے امام کی تقلید میں خطا کی پیروی کا سو فیصد امکان ہے، جبکہ سرفراز خان صفدر صاحب ہی نے علامہ محمد یعقوب البمبانی الحنفی کا یہ قول بھی اس کتاب میں نقل فرمایا کہ: ''ولا اتباع فی الخطأ'' کہ خطا میں پیروی (درست) نہیں (المولوی علی الحسامی ص ۴۶۱ ازالۃ الریب ص ۸۵) ہر ایمان والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے

مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا امام بنالے اور اُن کی اتباع و پیروی کرتا رہے تا کہ وہ خطا میں پیروی کا مرتکب نہ ہو، جبکہ تقلید میں خطا میں بھی پیروی کا مکمل امکان ہے۔ افسوس کہ ان تمام حقائق کے باوجود یہ ''علماء'' تقلید شخصی کو واجب کہتے ہیں۔

چودھواں فرق: ہر ہر بات حق

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات سنا کرتا اُسے، یاد کر لینے کے ارادے سے لکھ لیا کرتا تھا۔ قریش کے بعض لوگوں نے مجھے اس عمل سے روکا اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ہر بات نہ لکھا کرو جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں (بتقاضائے بشریت) آپ کبھی خوشی میں ہوتے ہیں اور کبھی ناراضی یا غصے میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، تو آپ نے اپنی بابرکت انگلی سے اپنے مبارک منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

'' اکتب فو الذي نفسي بیده مایخرج منه إلا حق'' لکھو اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میرے منہ سے حق بات کے سوا کچھ نہیں نکلتا ہے۔ (سنن ابی داؤد، کتاب العلم باب فی کتاب العلم رقم الحدیث ۳۶۴۶، ورواہ الحاکم فی المستدرک، کتاب العلم رقم الحدیث ۳۵۷ وقال ھذا حدیث صحیح الاسناد وافقہ الذھبی، المستدرک ج ا ص ۱۸۶ او النسخۃ القدیمہ ج ا ص ۱۰۴)

سبحان اللہ! یہ عظیم مرتبہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا، آپ کے فرامین کا، کہ اللہ رب العالمین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کو محفوظ فرما دیا تھا کہ آپ کی زبان سے حق بات ہی نکلتی تھی، اور کیوں نہ ہوتا کہ آپ رہتی دنیا تک کے امام ومطاع ومقتدا ہیں۔ آپ کی زندگی بہترین نمونہ ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اپنی مبارک زبان سے نکلی ہوئی ہر ہر بات کے لکھنے کا حکم دیا، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ اشکال رکھ دیا گیا تھا کہ لوگوں کے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے مزاجِ گرامی پر بعض اوقات غصہ وناراضی کے آثار ہوتے ہیں اور بسا اوقات خوشی کے۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اشکال کے باوجود اپنی ہر ہر بات لکھنے کی اجازت دے کر گویا یہ وضاحت فرما دی کہ غصہ یا ناراضی ہو یا خوشی میری زبان سے ہمیشہ حق بات ہی نکلتی ہے ناحق بات کا تصور بھی نہ کرنا۔

اس کے برخلاف لوگوں کے اپنی طرف سے مقرر کردہ ''امام'' کا حال ملاحظہ کیجئے۔

''فقال یوماً أبو حنیفة لأبی یوسف : ویحک یا یعقوب ،لاتکتب کل ما تسمع منی ،فانی قد أری الیوم غداً وأری الرّای غدًا ،واترکه بعد غدٍ'' ایک دن ابو حنیفہ نے ابو یوسف سے کہا تیرا برا ہو اے یعقوب، مجھ سے سنی ہوئی ہر بات نہ لکھا کر، اس لیے کہ میں تو آج ایک رائے رکھتا ہوں کل اُسے ترک کر دیتا ہوں اور کل دوسری رائے رکھتا ہوں تو پرسوں اُسے چھوڑ دیتا ہوں۔ (تاریخ ابن معین ج ۲ ص ۶۰۷ وسندہ حسن)

غور کیجئے! امام ابو حنیفہ کی حقیقت پسندی وحق گوئی پر، کس طرح واضح الفاظ میں اپنے اقوال کی حیثیت بیان

فرمائی کہ میں تو رائے سے بھی فتویٰ دیتا ہوں، رائے کا یہ حال ہے کہ آج رائے دی، کل اس سے بہتر رائے سامنے آئی تو وہ رائے اختیار کر لی، پرسوں ایک اور ''رائے'' اختیار کر لی اور سابقہ رائے چھوڑ دی۔ یہ میری ''رائے'' ہی تو ہے کوئی وحی تو نہیں ہے۔ پھر اس کی یہ حیثیت واہمیت قطعاً نہیں کہ اس کو لکھا جائے تحریر میں لایا جائے، پس تو نہ لکھا کر اور لکھنے سے منع فرما دیا۔

الغرض یہ ایک اور عظیم فرق ہے اللہ کے مقرر کردہ ''امام'' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور بندوں کے اپنی طرف سے مقرر کردہ امام کی تقلید میں کہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلی ہوئی ہر ہر بات حق ہے، اس لیے وہ نہ صرف لکھے جانے کے لائق ہے بلکہ ضروری ہے اور اس بات کی پیروی کرنے والا حق کا پیرو ہے اور بندوں کے مقرر کردہ ''امام'' کی ''رائے'' لکھے جانے کی قطعاً ضرورت نہیں، اس لیے کہ وہ تو کسی بھی وقت بدل جاتی تھی، اُس کی تقلید کرنے والوں کا حق کی پیروی کرنے والا ہونا یقینی نہیں بلکہ غلطی پر ہونا یقینی ہے کہ عین ممکن تھا کہ وہ بھی بدل جاتی۔ ہر لحظہ بدلتی ہوئی بات کا حق ہونا یقینی قطعاً نہیں ہوسکتا البتہ غلط ہونا بالکل یقینی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زبان سے متعلق ہمیں یہ بات بتلائی کہ ''اس زبان سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا''، بعض لوگوں نے اپنے لیے بھی اس بات کا دعویٰ کر دیا جیسا کہ دیوبندی ''قطب عالم'' رشید احمد گنگوہی صاحب کے متعلق لکھا گیا کہ: ''آپ نے کئی مرتبہ بحیثیت تبلیغ یہ الفاظ زبانِ فیض ترجمان سے فرمائے، سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں مگر اس زمانہ میں ہدایت ونجات موقوف ہے میرے اتباع پر.....''

(تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۱۷)

کیا یہ منصب رسالت پر ''ڈاکہ'' نہیں؟ کہ جو مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، یہ جناب رشید گنگوہی صاحب اپنے لیے ثابت کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾

اور ان کی اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ (الاعراف: ۱۵۸)

قرآن مجید تو بتاتا ہے کہ ہدایت ونجات موقوف ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر۔ لیکن دیوبندیوں کے ''قطب عالم'' صاحب کا دعویٰ ہے کہ ''ہدایت ونجات موقوف ہے میرے اتباع پر'' کیا یہ قرآن مجید کی تعلیمات سے سراسر غفلت کا نتیجہ نہیں؟ کیا کوئی صاحب ایمان ومحبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے خصائص کو اپنے لیے ثابت کر سکتا ہے یا اپنے لیے بھی ان خصائص کا مدعی ہوسکتا ہے؟ مگر افسوس کہ بڑے بڑے القابات سے یاد کیے جانے والے صاحب جبہ و دستار بعض افراد نے ایسے دعوے کیے اور کئی لوگ ان کے راستے پر چل کر گمراہ ہوئے۔ تمت بالخیر (ختم شد)